International Research Journal of Arabic and Islamic Studies, Vol.:04, Issue: 01, Jan-Jun 2024
pp: 744 - 771

OPEN ACCESS
IRJAIS
ISSN (Online): 2789-4010
ISSN (Print): 2789-4002
www. irjais.com

خیر و شر کے نظریاتی و عملی مظاہر: متکلمین و مفسرین کے آراء کا تقابلی مطالعہ

Theoretical and Practical Manifestations of Good and Evil: A Comparative Study of Theologians and Exegetes' Views

Dr. Syeda Ayisha Rizvi
Lecturer Islamic studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan
Rubina Kosar
Lecturer Islamic studies, The University of Lahore, Lahore, Pakistan
Dr. Barkat Ullah Khan Qureshi
Village Akhundan Kakki post office Kakki, Tehsil Kakki District Bannu kpk

Abstract

The theoretical and practical manifestations of good and evil constitute a vast and intricate subject in Islamic theology. This paper aims to explore these manifestations through a comparative study of the views of Islamic theologians and exegetes. The primary focus is on understanding not only the theoretical aspects of good but also its practical implications as prescribed by the Quran. The concept of good is presented as more than a mere theoretical construct; it is intended to guide individuals towards practical application. The discussion includes the role of destiny (qadar) in human actions, a fundamental belief in Islam that is both delicate and significant. It is crucial to balance the divine creation of human actions with the concept of human autonomy, ensuring that the notions of command, prohibition, and divine justice are preserved. The paper reviews key Islamic works on destiny, including those by Imam Abu Bakr al-Firabi, Imam Ibn Taymiyyah, Imam Ibn Qayyim, Imam Muhammad ibn Salih al-Uthaymin, and Imam Umar ibn Sulayman al-Ashqar. By analyzing these texts, the paper aims to provide a comprehensive understanding of how good and evil are conceptualized within Islamic thought. It is divided into six sections: introduction, the meaning of destiny, the obligation of faith in destiny, types of actions, views on good and evil, and a summary.

Keywords: Good and Evil, Islamic Theology, Destiny (Qadar), Theologians' Views, Comparative Study.

CC BY

تعارف موضوع

خیر وشر کی تفہیم اسلامی فلسفے میں ایک بنیادی مقام رکھتی ہے۔ یہ موضوع نہ صرف نظریاتی بلکہ عملی لحاظ سے بھی اہم ہے، کیونکہ یہ انسان کی اخلاقی اور دینی زندگی پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں خیر وشر کے تصورات کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، اور اسلامی فکریات میں یہ مسائل چودہ صدیوں سے زیر بحث ہیں۔ تقدیر (قَدَر) کا مسئلہ بھی اس موضوع کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اسلامی عقائد کے مطابق، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے افعال کے لئے خود مختاری دی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی تقدیر کا علم بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس توازن کو سمجھنا اور اس پر ایمان لانا ایک حساس اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اس مقالے میں، ہم خیر وشر کے نظریاتی اور عملی مظاہر کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور مختلف اسلامی متکلمین اور مفسرین کے خیالات کا تقابلی مطالعہ کریں گے۔ اس کے ذریعے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ اسلامی فکریات میں خیر وشر کی حقیقت کیا ہے اور تقدیر کے مسئلے پر مختلف علماء کے نظریات کیا ہیں۔ اس تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ خیر وشر کے تصورات کی گہرائی اور پیچیدگی کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے اور اسلامی فلسفے میں ان کے مقام کو واضح کیا جاسکے۔

تواضع وخاکساری

اصطلاحی معنی

جذبۂ محبت اور تعظیم سے سرشار ہو کر اللہ کی فرماں برداری اور اس کے لیے انکساری اختیار کرنا اور از راہِ شفقت واحسان بندگان الٰہی کے لیے کسرِ نفسی کا مظاہرہ کرنا۔

مختصر توضیح

'تواضع' ایک پسندیدہ ترین صفت ہے جو نفس کی پاکیزگی کی علامت ہے، باہمی محبت، بھائی چارگی کی طرف بلاتی ہے، حسد، دشمنی اور دلوں سے نفرت مٹانے کی ترغیب دیتی ہے۔ تواضع کی کئی شکلیں ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق انسانی اعضا وجوارح سے ہے جیسے چال چلن اور پہناوے میں تواضع، اور بعض کا تعلق زبان سے ہے جیسے خاندانی برتری اور جھوٹی علمیت کی بنیاد پر فخر ومباہات نہ کرنا۔

تواضع کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: اللہ کے لیے تواضع، اس کی تعظیم اور محبت کے طور پر، جو اس کی فرمانبرداری، اس کے دین کی پیروی اور اس حق کی اتباع سے عبارت ہے جسے رسول ﷺ لائے ہیں۔ دوسری قسم: اللہ کی مخلوق کے لیے تواضع، بایں طور کہ انسان صفاتِ کمال میں اپنے آپ کو دوسروں سے کمتر سمجھے۔

خاکساری وفروتنی اختیار کرنا، اپنے آپ کو کمتر ظاہر کرنا۔ تواضع مہربانی ونرمی، انکساری اور کمزوری کو کہتے ہیں، اس کی ضد تکبر اور اظہارِ برتری ہے۔ 'تواضع' کا لفظ "وضع" سے ماخوذ ہے جس کے معانی پستی اور انحطاط کے ہیں۔ اس کے دیگر معانی میں خشوع، نرمی اور سہولت بھی آتے ہیں۔[1]

تواضع کا قرآنی مفہوم

قرآن کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک تواضع وانکساری بھی ہے خدا پر یقین رکھنے والا کبھی مغرور و تکبر نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ جس ہی پر ایمان رکھتا ہے وہ تکبر وغرور کو پسند نہیں کرتی۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا**[2] ترجمہ: اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام ہے۔

"**وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ**۔[3] **وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ**۔[4] اور اہلِ ایمان کی دلجوئی کے لیے اپنے شفقت والتفات کے بازو جھکائے رکھیے۔"

تواضع کا حدیثی مفہوم

نبی اکرم ﷺ نے تواضع کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللَّهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللَّه**[5] مال سے صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا اور بندے کا معاف کرانا اور معذرت خواہ ہونے سے اللہ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے لیے بندے کی تواضع وانکساری سے اللہ اسے درجہ فضیلت میں بلند کرتا ہے۔

صِدق

صدق کی تعریف: حضرت علامہ سید شریف جرجانی صدق یعنی سچ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "صدق کا لغوی معنی واقع کے مطابق خبر دینا ہے۔"[6]

آیت مبارکہ

اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: **وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ**[7] "اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔"

(حدیث مبارکہ) سچ جنت کی طرف لے جاتا ہے:

سچ بولنے کا حکم

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینی و دُنیوی تمام معاملات میں سچ بولے کہ سچ بولنا نجات دلانے اور جنت میں لے جانے والا کام ہے۔

شرم وحیاء

اس خوبی یہ بہت سی خوبیاں وجود میں آئی ہیں شرم وحیاء کو اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے حیاء انسان کا ایک اخلاقی جوہر ہے جس سے اسکو فائدہ پہنچتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **الحَيَاءُ لاَ يَأْتِي إِلاَّ بِخَيْرٍ**[8] حیا سے صرف بھلائی پہنچی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے: **كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم أَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا**۔[9] "آپ پردے میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔"

شر کے نظریاتی مظاہر

شر کے نظریاتی مظاہر درج ذیل ہیں۔

شہوت پرستی

نفسانی شہوتیں اگرچہ فطرت میں پوشیدہ ہیں لیکن یہ خصوصیت اللہ کے راستے سے منحرف ہونے کے بعد رونما ہوتی ہے کہ نفس انسانی شہوتوں کی تکمیل میں ہمہ تن منہک ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو وراق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: غلبہ نفسانیت کی بنیاد شہوات کے قریب جاتا ہے جب یہ خواہش نفسانی غالب ہوتی ہے تو دل سیاہ ہو جاتا ہے جب دل سیاہ دتا ہے تو سینہ تنگ ہو جاتا ہے جب سینہ تنگ ہوتا ہے تو اخلاق بگڑ جاتے ہیں جب اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو خلوق اس سے بغض کرنا شروع کر دیتی ہے، جب مخلوق اس سے بغض کرتی ہے تو وہ مخلوق سے بغض کرتا ہے اور جب میدان سے بغض کرتا ہے تو ان ظلم کرتا ہے اور ان پر ظلم کرتا ہے تو شیطان مردبن جاتا ہے۔[10]

عزیز مصر کی بیوی زلیخا کو اس کے نفس نے ہی حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ برائی کرنے پر آمادہ کیا۔ قرآن پاک میں بیان ہوا: **وراودته التي هو في بيتها عن نفسه و غلقت الأبواب وقالت هيت لك**[11]
اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف تھا، یوسف کو بہلانا پھیلانا شروع کیا کہ وہ اپنے نفس کی کہانی چھوڑ دے، دروازے بند کر کے کہنے لگی لو آجاؤ۔ عزیز مصر جس نے آپ کو خریدا تھا اور بہت اچھی طرح اولاد کے مثل رکھا تھا اس کی عورت کی نیت میں کھوٹ آجاتی ہے اور وہ جمال یوسف پر فریفتہ ہو جاتی ہے دروازے بھیڑ کر بن سنور کر بڑے کام کی طرف سے یوسف کو بلاتی ہے لیکن یوسف رحمتہ اللہ سختی سے اسے انکار کر دیتے ہیں۔[12] یہ اس کا نفس ہی تھا جس نے اسے اس برائی پر آمادہ کیا۔

نفسانی خواہشات کی پیروی

نفس امارہ انسان کو خواہشات کی پیروی کرنے پر اکساتا ہے۔ قرآن کے ہم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا [13] اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے دلیر وہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ۔

جو لوگ تبع شہوات ہیں ان کے نزدیک حلال و حرام کی کوئی اہمیت نہیں وہ خود بھی راہ حق سے ہٹے ہوئے ہیں اور دوسروں کو ہی اپنے باطل ارادوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کر لینا بھی درست ہے اور بہت سے ملحدین اس دور میں نکاح کو ختم کرنے کے حق میں ہیں اور بعض ممالک میں عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو نفس کے بندے اور خواہشات کے غلام ہیں۔[14]

ایسے لوگوں کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے جو خواہشات نفس کے پیروکار ہوں۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا [15]

کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کی ہو اور جس کا طریق کار افراط اور تفریط پر مبنی ہے۔

اللہ تبارک و تعالی ہمیں یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی اتباع نہ کرنا جو کہ گمراہ ہوں جن کے دل اللہ کی یاد سے غافل ہوں جب وہ خود گمراہ ہیں تو یقیناً دوسروں کو بھی گمراہ ہی کر لیں گے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں لہذا ان سے بچو کیونکہ ان کا طریق کار افراط و تفریط مبنی ہے۔ کان امرہ فرطاً سے مراد ہے جو حق کو پیچھے چھوڑ کر اور اخلاقی حدود کو توڑ کر بگٹٹ چلنے والا ہو یعنی جو شخص خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کا بندو بن جاتا ہے اس کے ہر کام میں بے اعتدال پیدا ہو جاتی ہے اور وہ حدود و قیود سے نا آشنا ہو کر رہ جاتا ہے ایسے آدمی کی اطاعت کے معنی یہ ہیں کہ اطاعت کرنے والا خود بھی حدود سے نا آشنا ہو جائے اور جس وادی میں مطاع بھٹکے اس میں مطیع بھی بھٹکتا چلا جائے۔[16]

یعنی خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہی کے راستے پر چلائے۔ مختصر یہ کہ اعمال شر کے نظریاتی مظاہر و محرکات میں سے نفس امارہ ایک ایسا محرک ہے جس سے بچنا یا محفوظ رہنا بہت مشکل ہے۔

کیونکہ نفس گھر کا چور ہے اور چور جب گھر میں چھپا ہوا ہو تو اس سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اول روز سے جو ذلت و خواری، تباہی، گناہ اور آفات و مصیبت دنیا میں واقع ہوئیں ہیں وہ سب نفس امارہ کے باعث ہوئیں۔ اسی طرح قیامت تک نا قابل گفتہ بہ واقعات، فتنے، خرابیاں، گمراہیاں اور جو گناہ رونما ہوتے رہیں گے۔ ان کی بنیاد بھی نفس اور نفس کی خواہشات ہی ہوں گی۔

خشیت الٰہی کا خاتمہ

اللہ سے ڈر اور خوف انسان کو بہت سے گناہوں سے باز رکھتا ہے جس شخص کو اللہ کا خوف ہو کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اس کی ہر بات سن رہا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے دل کے اندر ہونے والی ہلچل سے بھی واقف ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسانَ وَ نَعْلَمُ ما تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ [17]

"ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں"

جب اسے اس چیز کا یقین ہو تو اس کا ایمان مضبوط اور خوف خدا بھی زیادہ ہو تا جائے گا۔ لیکن جب اس کا یقین و ایمان مضبوط نہ ہو تو وہ اس کے دل میں اللہ کا خوف اور ڈر بھی باقی نہیں رہتا اور وہ بے شمار غلطیوں اور گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ انبیاء ورسل کا علم وعرفان درجہ کمال پر ہوتا ہے اس لئے ان کا ایمان انتہائی مضبوط اور خوف خدا ان پر ہمیشہ طاری رہتا ہے بالخصوص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں سب سے زیادہ علم ومعرفت رکھتے تھے وہیں سب سے زیادہ اللہ کا خوف اور ڈر بھی رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دلی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

عرضت على الجنة والنار فلم ار كاليوم في الخير والشر ولو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا [18]

مجھ پر جنت اور جہنم پیش کیے گئے تو میں نے خیر وشر کے سلسلے میں آج جیسا منظر بھی ہیں دیکھا (یعنی اہل جنت اور ان کے کردار کی شکل میں، اور اہل جہنم کو ان کے کرتوتوں کی شکل میں) اور جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم لوگ بھی جان جاؤ تو تھوڑا ہنسو، اور زیادہ روگے۔

جنم ایسی بڑی جگہ ہے جہاں انسان اپنے برے اعمال کی وجہ سے جائے گا اور انسان گناہ کے کام اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دل اللہ کا خوف وڈر ختم ہو جائے اور اللہ کے خوف اور ڈر کے خاتمے سبب ایمان کی کمزوری ہے۔

آخرت پر یقین کا خاتمہ

اگر اللہ تعالیٰ یوم آخرت اور وہاں پیش آنے والے ہولناک واقعات پر انسان کا ایمان ویقین پختہ ہو تو وہ گناہوں سے بچا رہتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ویقین پختہ نہ ہو تو وہ گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ایمان بالآخرت کے خاتمہ کا سبب کمزوری ایمان ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکیوں کو قرآن کریم متعدد مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرمایا!

اذَا السَّمَاء انفَطَرَتْ، وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ، وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ، وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ، عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ [19]

"جب آسمان پھٹ جائیگا۔ اور جب تارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ اس وقت ہر شخص کو اس کا اگلا اور پچھلا سب کیا دیکھ لے گا"

آخرت پر ایمان نہ رکھنے سے انسان گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے جھوٹ بولتا ہے، چوری کرتا ہے، زنا کرتا ہے، غرضیکہ تمام گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے اور ان گناہوں کا سبب ایمان کی کمزوری ہے۔

خلاصہ بحث

الغرض گناہوں کے ارتکاب کا سب سے بڑا سبب اللہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیش آنے والے حالات سے غفلت اور ایمان کی کمزوری ہے۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالی کو علم وخبیر، بصیر جاننے اور ماننے کے بعد بھی گناہ کرتار ہے۔

متکلمین کے نظریات

تعارف

تقدیر کا مسئلہ ان بنیادی عقائد سے ہے جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن تقدیر کا مسئلہ انتہائی نازک بھی ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ سوال وجواب کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالی انسان کے افعال کا خالق ہے مگر اس نے بندوں کو اپنے افعال کے ادا کرنے کے معاملے میں خود مختار بنایا ہے یعنی افعال کا کاسب انسان خود ہے اور خالق اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اگر انسان کو اختیار ہی نہ ہوتا تو امر و نہی اور جزا وسزا کا مفہوم باقی نہ رہتا لہذا انسان مجبور محض بھی نہیں ہے اور مختار کل بھی نہیں۔ یہ ایک اہم اور مشکل موضوع ہے جس پر چودہ صدیوں سے لکھا جا رہا ہے۔ آئمہ حدیث اور مفسرین نے اپنی کتب میں اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ جبکہ مستقل کتب بھی لکھی گئیں۔ امام ابو بکر جعفر بن محمد الفریابی نے القدر للفریابی تصنیف کی۔ امام ابن تیمیہ نے التدمیریہ، امام ابن قیم نے شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر، امام محمد بن صالح العثیمین نے رسالہ فی القضاء والقدر اور امام عمر بن سلیمان الاشقر نے القضاء والقدر للاشقر تصنیف فرمائی۔ مقالہ ھذا میں ان تمام کتب کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

قدر کا معنی ومفہوم

قدر کا لغوی معنی اندازہ کرنا، طے کرنا اور مقرر کرنا ہے۔[20]

القَدَرُ: الاسم، القَدْرُ المصدر. وهو ما يُقَدِّر. الله من القضاء، ويحكم به من الامور[21]

لفظ قدر اِسم ہے، اور قدر مصدر ہے اور اس سے مراد وہ قضا (فیصلہ) جسے اللہ تعالیٰ مقدر کر دے (کہ وہ ہو کر رہے گا) اور اُمور میں سے جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے (وہ قدر ہے)۔

جب کہ قدر کا اِصطلاحی معنی یہ ہے

ان القدر سِرٌّ من سِرّ الله، بل الإيمان بما جرت به المقادير من خيراو شرّ، واجب على العباد ان يؤمنوا به، ثم لا يامن العبد ان يبحث عن القدر فيكذب بمقادير الله الجارية على العباد، فيضلّ عن طريق الحق[22]

قدر، اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، بلکہ خیر و شر کی جو تقدیریں جاری ہوتی ہیں ان پر ایمان لانا بندوں پر واجب ہے، پھر ایسا ممکن نہیں کہ بندہ قدر کے بارے میں بحث کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ان قدروں کے بارے میں جو بندوں پر جاری ہوتی ہیں جھوٹ سے مامون رہے، پس پھر راہِ حق سے گمراہ ہو جائے۔

اس سے مراد کائنات اور بنی نوع انسان کے احوال کا وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكُلَّ شَيْءٍ أحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ[23]

ایمان بالقدر کے متعلق آیات قرآنی واحادیث نبویہ

تقدیر پر ایمان لانا واجب ہے جس کے بغیر ایمان نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ[24]

اور اللہ نے تمھیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ-وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ-وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ-قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ-فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا[25]

کنز الایمان: تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آلے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو اور اُنہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے معلوم ہی نہیں ہوتے۔

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ[26]

اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہان کا رب۔

وَ كُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ[27]

اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ[28]

بیشک ہم نے ہر چیز ایک اندازہ سے پیدا فرمائی

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا[29]

بے شک اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ رکھا ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ-اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌۚۖ(۲۲) لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْؕ-وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ[30]

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اُسے پیدا کریں بے شک یہ اللہ کو آسان ہے۔ اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا اور اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اترونا بڑائی مارنے والا۔

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ۠[31]

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ[32]

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَؕ-وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ۠[33]

کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبر دار۔

احادیث مبارکہ سے بھی ایمان بالقدر کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

1. **عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "لکل أمة مجوس ومجوس هذه الأمة الذین یقولون لا قدر من مات منهم فلا تشهدوا جنازته و من مرض منهم فلا تعودوهم و هم شیعة الدجال و حق علی الله أن یلحقهم الدجال"**[34]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "ہر امت میں مجوسی ہوتے تھے اور اس امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو کہیں گے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں شریک نہ ہونا اور جو ان میں سے بیمار پڑے اس کی عیادت نہ کرنا، وہ دجال کے ساتھی ہیں اور اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں دجال کے ساتھ ملا دے۔

2. **عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لایؤمن عبد حتی یؤمن بالقدر خیره وشره وحتی یعلم أن ما أصابه لم یکن لیخطئه ، و انما أخطأه لم یکن لیصیبه**[35]

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ تقدیر کی اچھائی اور برائی پر ایمان نہ لائے، اسی طرح جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ جو مصیبت اسے پہنچی ہے وہ اس سے ٹلنے والی نہ تھی اور جو مصیبت اس سے ٹل گئی وہ اسے پہنچنے والی نہ تھی۔

3. **عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : كُنَّا جُلُوسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الْأَرْضِ وَقَالَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الْجَنَّةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ : أَلَا نَتَّكِلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ: لَا اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ ، ثُمَّ قَرَأَ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى۔صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى۔فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى۔وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى۔فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى**[36]

حضرت علی سے روای ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی اثناء میں) فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کا جہنم کا یا جنت کا ٹھکانا لکھا جا چکا ہے، ایک مسلمان نے اس پر عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اس پر بھروسہ کر لیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں عمل کرو کیونکہ ہر شخص (اپنی تقدیر کے مطابق) عمل کی آسانی پاتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی: پس جس نے راہ للہ دیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور سب سے اچھی کو سچ مانا۔ تو بہت جلد ہم اسے آسانی مہیا کر دیں گے۔ اور وہ جس نے بُخل کیا اور بے پرواہ بنا۔ اور سب سے اچھی کو جھٹلایا۔ تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کر دیں گے۔

4. **عَنْ طَاوُسٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَّ آدَمُ وَمُوسَى فَقَالَ مُوسَى يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُونَا خَيَّبْتَنَا وَأَخْرَجْتَنَا مِنْ الْجَنَّةِ فَقَالَ لَهُ آدَمُ أَنْتَ مُوسَى اصْطَفَاكَ**

اللَّهُ بِكَلَامِهِ وَخَطَّ لَكَ بِيَدِهِ أَتَلُومُنِي عَلَى أَمْرٍ قَدَّرَهُ اللَّهُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَنِي بِأَرْبَعِينَ سَنَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى وَفِي حَدِيثِ ابْنِ أَبِي عُمَرَ وَابْنِ عَبْدَةَ قَالَ أَحَدُهُمَا خَطَّ وقَالَ الْآخَرُ كَتَبَ لَكَ التَّوْرَاةَ بِيَدِهِ[37]

حضرت ابن ابی عمر اور حضرت ابن عبدہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نے کہا: لکھا اور دوسرے نے کہا: تمہارے لیے اپنے ہاتھ سے تورات لکھی۔

5. عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ قَالَ وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ[38]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیریں تحریر فرمادی تھیں اور فرمایا اس کا عرش پانی پر تھا۔

6. عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اﷲِ صلی الله عليه وآله وسلم : الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَی اﷲِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ، وَفِي کُلٍّ خَيْرٌ. اِحْرِصْ عَلٰی مَا يَنْفَعُکَ وَاسْتَعِنْ بِاﷲِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَکَ شَيئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَکَذَا. وَلٰکِنْ قُلْ: قَدَرُ اﷲِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ ’لَوْ‘ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ[39]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ پسندیدہ ہے اور تمام میں خیر ہے۔ جو چیز تم کو نفع دے اُس کے حصول میں حرص (پوری کوشش) کرو، اللہ کی مدد چاہو اور تھک کر نہ بیٹھے رہو، اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں ایسا کر لیتا تو یوں ہو جاتا۔ البتہ یہ کہو یہ اللہ کی تقدیر ہے، اُس نے جو چاہا کر دیا، یہ ’اگر‘ کا لفظ (مومن کے عقیدہ اور عمل میں) شیطان کی مداخلت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

7. عن أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ رضی الله عنه قَالَ: خَدَمْتُ رَسُوْلَ اﷲِ صلی الله عليه وآله وسلم عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا أَرْسَلَنِي فِي حَاجَةٍ قَطُّ فَلَمْ تَتَهَيَّأْ إِلَّا قَالَ: لَوْ قَضَی اﷲُ کَانَ وَلَوْ قَدَّرَ کَانَ[40]

ایک روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بھی مجھے کسی ضروری کام سے بھیجا اور وہ نہیں ہو سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا تو کام ہو جاتا، اگر اللہ تعالیٰ مقدر کرتا تو ضرور ہو جاتا۔

8. عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنہما قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُوْلُ: كَتَبَ اللّٰه مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ[41]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ دیا تھا (یعنی طے کر دیا تھا)۔ فرمایا: (اُس وقت) اُس کا عرش پانی پر تھا۔

9. وَفِي رِوَايَةِ سَعْدٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم : مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰه لَهُ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰه لَهُ[42]

ایک روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا انسان کی سعادت مندی ہے اور اللہ تعالیٰ سے (اپنے حق میں) خیر کی طلب اور دعا نہ کرنا انسان کی بد بختی ہے۔ نیز اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر ناراض ہونا بھی بد بختی ہے۔

10. وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ: أَتَيْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رضی الله عنه فَقُلْتُ لَهُ: وَقَعَ فِي نَفْسِي شَيْئٌ مِنَ الْقَدَرِ فَحَدِّثْنِي بِشَيْئٍ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِي. قَالَ: لَوْ أَنَّ اللهَ عَذَّبَ أَهْلَ سَمَاوَاتِهِ وَأَهْلَ أَرْضِهِ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهُ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ أَعْمَالِهِمْ، وَلَوْ أَنْفَقْتَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا فِي سَبِيْلِ اللهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰه مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ وَتَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ، وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ
قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ. قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، قَالَ: ثُمَّ أَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِي عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم مِثْلَ ذٰلِكَ[43]

11. عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم : لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ حَتّٰى يَعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَهُ وَأَنَّ مَا أَخْطَأَهُ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَهُ[44]

12. قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الایمان بالقدر یذهب الهم والحزن[45]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدر پر ایمان لانا پریشانی اور غم کو لے جاتا ہے۔

افعال العباد کی اقسام

انسان اپنے افعال میں بالکل آزاد بھی نہیں ہے اور بالکل مجبور بھی نہیں ہے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ جب سب کچھ اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے۔ حتی کہ انسان کے افعال اور اعمال کا خالق بھی وہی ہے تو پھر انسان کے لیے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا کیا اختیار رہ جاتا ہے؟ اور جب اس کا اختیار نہیں تو جس قسم کے کام بھی وہ کرتا ہے وہ ان کے کرنے پر مجبور ہے اور جب مجبور ہے تو اس سے گناہوں پر مواخذہ کیسا؟

اس سوال کے جواب میں میں متکلمین نے افعال کی دو اقسام کو بیان کیا۔ (الف) امور تکوینیہ یا غیر اختیاریہ (ب) امور تشریعیہ یا اختیاریہ

الف۔ امور تکوینیہ یا غیر اختیاریہ: امور تکوینیہ میں وہ چیزیں آتی ہیں جو اللہ تعالی کے لفظ کن سے وجود میں آتی ہیں اور انسان کی مشیت اور ارادہ کا اس میں ذرہ برابر بھی کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی کے بارے میں امام محمد بن صالح العثیمین نے فرمایا:

القسم الأول: ما يجريه الله .تبارك وتعالى من فعله في مخلوقاته فهذا لا اختيار لأحد فيه كإنزال المطر و انبات الزرع والأحياء والإماتة والمرض والصحة وغيرذلك من الأمور الكثيرة التي تشاهد في مخلوقات الله تعالى وهذه بلا شك ليس لأحد فيه اختيار وليس لأحد فيها المشيئة فيها لله الواحد القهار[46]

پہلی قسم ایسے افعال ہیں جو اللہ تعالی اپنی مخلوقات میں جاری فرماتا ہے۔ ان میں کسی ایک کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا جیسے بارش نازل کرنا، کھیتی اگانا، زندگی، موت، مرض، صحت اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے امور جو مخلوقات کے اندر دیکھے جاتے ہیں۔ اور ان امور میں بغیر کسی شک کے کسی ایک کا کوئی اختیار نہیں اور کسی ایک کی مشیئت شامل نہیں سوائے اللہ واحد القہار کے۔

یہ وہ امور ہیں جن کے وجود میں انسان کے ارادہ کا کوئی دخل نہیں ہے اور وہ ان میں بالکل مجبور محض ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **هو الذى خلقكم من طين ثم قضى اجلا**[47]

وہ اللہ تعالی ہی کی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تمہاری زندگی کے لیے ایک وقت مقرر کیا۔

ایک اور جگہ فرمایا: **وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله كتابا مؤجلا**[48]

کسی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر مر سکے ہر شخص کی زندگی کی ایک معیاد مقرر ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: **اين ما تكونوا يدرككم الموت ولو كنتم في بروج مشيدة**[49]

تم جہاں بھی رہو تم کو موت آ کر پالے گی اگرچہ تم مضبوط اور مستحکم قلعوں میں کیوں نہ ہو؟

ب. امور تشریعیہ یا اختیاریہ: یہ وہ امور ہیں جن کی بجا آوری کے ساتھ اللہ تعالی نے انسان کو مکلف اور پابند کیا ہے۔ اللہ تعالی نے خیر اور شر دونوں کو پیدا کیا اور دنیا میں شر پر ابھارنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا اور خیر کی تلقین کے لیے انبیاء اور رسل کو مبعوث فرمایا اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں رکھیں کہ ایک قوت وہ ہے جو اس کو نیکی پر ابھارتی ہے جسے عرف میں ضمیر کہا جاتا ہے اور ایک وہ قوت ہے جو اس کو شر پر اکساتی ہے جس کو ہمزاد یا شیطان کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے انسان کو عقل سلیم عطا فرمائی تا کہ وہ خیر اور شر کے درمیان اپنا راستہ منتخب کر سکے۔ اس کے بارے میں امام محمد بن صالح العثیمین نے فرمایا:

القسم الثاني: ما تفعله الخلائق كلها من ذوات الإرادة فهذه الأفعال تكون باختيار فاعليها وأرادتهم لان الله تعالى جعل ذلك إليهم[50]

دوسری قسم ہر وہ فعل ہیں جس کو تمام مخلوقات اپنے ارادہ سے کرتی ہیں ہیں بس یہ افعال فاعل کے اختیار اور ارادہ سے ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے یہ ان کے سپرد کر دیے ہیں۔

اللہ تعالی نے انسان کو ایمان اور کفر، نیکی اور بدی دونوں راستے دکھا دیے اور ان کے انجام سے بھی واقف کرا دیا پھر انسان کو عقل عطا فرمائی کہ وہ ایمان اور کفر، نیکی اور بدی میں سے جو راستہ اختیار کرنا چاہے وہ کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **لا يكلف الله نفسا الا وسعها لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت**[51]

اللہ تعالی کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا جو شخص نیکی کرے گا تو اس کا نفع اس کے لئے ہے اگر برائی کرے گا تو اس کا ضرر بھی اسی کو پہنچے گا۔

خیر اور شر کے بارے میں متکلمین کی آراء

بندوں کے افعال کا خالق اللہ تعالی ہے یا خود انسان ہے۔ اس بارے میں متکلمین کی تین مختلف آراء ہیں۔ امام محمد بن صالح العثیمین نے اس بارے میں تین اقسام کو بیان کیا۔

پہلی قسم وہ افراد ہیں جنہوں نے قدر کے ثابت کرنے میں غلو کیا اور بندے کی قدرت اور اختیار کو ہی سلب کر لیا۔ انہوں نے افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ میں کوئی فرق بیان نہیں کیا۔

دوسری قسم وہ لوگ ہیں جنہوں نے بندے کی قدرت اور اختیار کو ثابت کرنے میں غلو کیا حتی کہ انہوں نے اللہ تعالی کے ارادہ واختیار اور تخلیق کی ہی نفی کر دی۔ اور انہوں نے گمان کیا کہ بیشک بندہ اپنے عمل کرنے میں مستقل ہے حتی کہ انہی میں سے ایک گروہ نے کہا کہ اللہ تعالی نہیں جانتا کہ انسان کیا کرنے والا ہے مگر جب انسان وہ کام کرتا ہے تب اللہ کے علم میں آتا ہے۔

تیسری قسم میں وہ ایمان والے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت عطا فرمائی اور وہ اہل سنت وجماعت ہیں۔ انہوں نے ایسے طریقے اور راستے کو اختیار کیا جو درمیانی راستہ ہے اور وہ راستہ دلیل شرعی اور دلیل عقلی پر قائم ہے۔یعنی انہوں نے بعض افعال کو اختیاری اور بعض کو غیر اختیاری قرار دیا۔[52]

ان میں سے پہلے گروہ کو جبریہ اور دوسرے گروہ کو معتزلہ اور تیسرے کو اہل سنت وجماعت کہا جاتا ہے۔

معتزلہ کا موقف اور اس کا رد

معتزلہ کے نزدیک بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے۔علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

زعمت المعتزله ان العبد خالق لافعاله وقد كانت الاو ائل من هم يتحاشون عن اطلاق لفظ الخالق و يكتفون بلفظ الموجد و المخترع و نحو ذلک و حين رأى الجبائى و اتباعه ان معنى الكل واحد و هو المخرج من العدم الى الوجود تجاسروا على اطلاق لفظ الخالق[53]

اور معتزلہ نے گمان کیا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور متقدمین معتزلہ بندے پر لفظ خالق کے اطلاق کرنے سے بچتے تھے اور بندہ پر لفظ موجد اور مخترع اور اس جیسے الفاظ پر اکتفا کرتے تھے لیکن جس وقت ابو علی جبائی اور اس کے متبعین نے دیکھا کہ ان سب کا معنی ایک ہی ہے اور وہ عدم سے وجود کی طرف نکالنے والا ہے تو انہوں نے بندہ پر لفظ خالق کے اطلاق کرنے پر دلیری کرلی۔

اہل سنت وجماعت نے کئی وجوہ سے معتزلہ کا رد کیا ہے:

قرآن مجید کی کی نصوص جو اس سلسلے میں وارد ہیں اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ تمام افعال کو پیدا کرنے والی اللہ تعالی ہی کی ذات ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: **والله خلقكم وما تعملون**[54] اور اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لا اله الا هو خالق كل شيئ[55]

اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ-اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ[56]

تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے۔

معتزلہ کے دلائل اور ان کا رد

دلیل نمبر 1: چلنے والا بھی حرکت کرتا ہے اور مرتعش بھی حرکت کرتا ہے لیکن ان دونوں حرکتوں کے درمیان بڑا فرق ہے پہلی حرکت اختیاری ہے اور دوسری حرکت غیر اختیاری ہے جو کہ بالاتفاق مخلوق ہے اور پہلی حرکت کا خالق خود بندہ ہے۔ اگر دونوں حرکتوں کا خالق اللہ تعالی ہے تو پھر دونوں میں فرق نہیں رہے گا۔ نیز جب بندے نے کچھ نہ بھی کیا تو پھر بندہ مکلف کیوں بنایا گیا۔ اچھے کام کرنے پر تعریف اور ثواب کا مستحق اور برے کام کرنے پر مذمت اور سزا کا مستحق کیوں ٹھہرایا جائے۔ لہذا انسان ہی اپنے تمام افعال کا خالق ہے۔

رد دلیل: یہ دلیل دوست نہیں کیوں کہ ہم نے اپنے افعال کی دو قسمیں اختیاری اور غیر اختیاری کی ہیں۔ لہذا بندے کو اپنے کام کرنے میں اختیار موجود ہے اور جب اچھے اور برے کام کرنے کا اختیار ہے تو اسی وجہ سے تعریف وہ تعریف و ثواب اور مذمت و سزا کا مستحق بنتا ہے۔

دلیل نمبر 2: اگر بندہ اپنے افعال کا خالق نہ ہو ہو بلکہ اللہ تعالی خالق ہو تو پھر قیام و قعود عقل شرب و غیرہ کا خالق بھی اللہ تعالی ہی ہو گا۔ تو پھر اللہ تعالی قیام کا خالق ہونے کی وجہ سے قائم، قعود کے خالق ہونے کی وجہ سے قاعد، اور اکل اور شرب وغیرہ کا خالق ہونے کی وجہ سے آکل، شارب، زانی، سارق وغیرہ کہلائے گا حالانکہ یہ باطل ہے اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالی کا افعال عباد کا خالق ہونا باطل اور بندوں کا اپنے اخلاق افعال کا خالق ہونا ثابت ہو گیا۔

رد دلیل: یہ قاعدہ بالکل باطل ہے کیونکہ کسی شیئ کا موجد اس شیئ کے ساتھ متصف نہیں ہوتا بلکہ جس کے ساتھ اس شیئ کا قیام ہو گا وہی اس شیئ سے متصف ہو گا۔ لہذا یہ سب صفات انسان کے ساتھ قائم ہے اور انسان ہی قائم، آکل، شارب، قاعد وغیرہ کہلائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے سیاہی، سفیدی اور جسم کے اندر جتنی بھی صفات ہیں سب کو پیدا کیا مگر خود ان صفات کے ساتھ متصف نہیں ہے بلکہ ان صفات کے ساتھ متصف وہی ہو گا جس کے ساتھ ان سے صفات کا قیام ہے۔

دلیل نمبر 3: اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: **فتبارک اللہ احسن الخالقین** اور **واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر** پہلی آیت میں اللہ تعالی نے اپنے آپ کو خالقین میں بہتر فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے علاوہ اور بھی خالق ہیں اگرچہ ان میں اللہ تعالی جیسے کمالات نہیں ہیں جیسا کہ بندے ہیں وہ بھی خالق ہوئے اور دوسری آیت میں حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف خلق کی نسبت کی گئی کہ وہ مٹی سے پرندوں کو پیدا کرتے تھے تو وہ بھی خالق ہوئے۔ لہذا اللہ کے علاوہ خالق کا عقیدہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔

رد دلیل: ان دونوں آیات میں خلق بمعنیٰ تقدیر و تصویر کے ہے کہ اللہ تعالی تصویر کشی کرنے والوں میں سب سے اچھا اور با کمال ہے اس کی کھینچی ہوئی تصویر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور حضرت عیسی علیہ السلام مٹی سے پرندوں کی صورت بناتے

تھے نہ کہ پرندوں کو پیدا کرتے تھے لہذا ان دونوں آیات سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر تخلیق کی بات کریں تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ھل من خالق غیر اللہ کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔ [57]

جبریہ کا موقف اور اسکا رد

جبریہ کے نزدیک انسان کے افعال کا خالق صرف اللہ تعالی ہے۔ اس میں بندے کی قدرت کا کوئی دخل نہیں بلکہ بندہ جمادات کی طرح مجبور محض ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

زعمت الجبرية انه لا فعل للعبد اصلا و ان حركاته بمنزله حركات الجمادات لا قدرة عليها ولا قصد و لا اختيار [58]

جبریہ نے گمان کیا ہے کہ بندے کے لئے کوئی اختیاری فعل نہیں ہے اور اس کی حرکات جمادات کی حرکات کے درجے میں ہیں۔ نہ ان پر کوئی قدرت ہے نہ قصد ہے اور نہ اختیار ہے۔

رد جبریہ:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ [59]

بے شک اللہ کے یہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ [60]

اور وہ اپنے بندے کے کفر پر راضی نہیں۔

اللہ رب العزت نے بندے کو عقل و شعور عطا فرمانے کے بعد خیر و شر کے درمیان واضح الفاظ کے ذریعے فرق بھی کر دیا لیکن ان پر جبر نہیں کیا کہ تمھیں صرف اسلام ہی قبول کرنا ہے بلکہ فرمایا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ [61]

اے نبی ﷺ آپ فرما دیجیے! حق تمھارے رب کی جانب سے ظاہر ہو چکا ہے تو اب جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

لیکن اس کے بعد ہی متصل فرمایا:

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ [62]

بے شک ہم نے کافروں کے لیے دردناک عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔

2. بندہ کے تمام افعال غیر اختیاری نہیں ہیں بلکہ کچھ اختیاری اور کچھ غیر اختیاری ہیں جیسے ہاتھ کی حرکت اور رعشہ کی حرکت کے درمیان فرق ہے۔ اگر سارے افعال اختیاری کا خالق اللہ تعالی ہوتا تو پھر دونوں افعال میں کوئی فرق نہ ہوتا حالانکہ کہ ہاتھ کی حرکت اختیاری ہے اور رعشہ کی حرکت غیر اختیاری ہے۔ تو بندہ مجبور محض نہ ہوا کیونکہ انسان جب چاہے اپنا ہاتھ اور کوئی بھی عضو حرکت میں لا سکتا ہے۔

اہلسنت وجماعت کا موقف اور دلائل

اہلسنت والجماعت کے نزدیک بندوں کے تمام افعال کا خالق صرف اللہ تعالی ہے اور بندہ صرف کاسب ہے۔ افعال اختیاری ہوں یا غیر اختیاری، تمام کا خالق صرف اللہ تعالی ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں:

واللہ تعالیٰ خالق لافعال العباد من الکفر والایمان والطاعۃ والعصیان[63]

اور اللہ تعالی بندوں کے افعال کا خالق ہے یعنی کفر اور ایمان اور اطاعت اور معصیت۔

امام طحاوی نے فرمایا ہے:

وأمرهم بطاعته، ونهاهم عن معصيته. وكل شيء يجري بتقديره ومشيئته، ومشيئته تنفذ، لا مشيئة للعباد إلا ما شاء لهم، فما شاء لهم كان، وما لم يشأ لم يكن[64]

اللہ تعالیٰ نے ان (مخلوق) کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی معصیت سے منع کیا ہے، ہر چیز اسی کی قدرت اور مشیئت سے جاری ہوتی ہے، اسی کی قدرت نافذ ہے، بندوں کے لیے اس کے چاہنے کے علاوہ بندے کی مشیئت کچھ نہیں، پس وہ ان کے لیے جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

واعلم: أنّ مذهب أهل الحق إثبات القدرومعناه: أنّ الله تبارک وتعالى قدّر الأشياء في القدم وعلم سبحانه أنها ستقع في أوقات معلومة عنده سبحانه وتعالى وعلى صفات مخصوصة فهي تقع على حسب ما قدّرها سبحانه وتعالى[65]

اللہ تعالی نے اشیاء کو ازل میں ہی مقدر فرما دیا کیونکہ ان اشیاء کا وقوع وقت مخصوص پر ہونا اللہ تعالی کے علم میں تھا پس ان اشیاء کا وقوع عین اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالی نے اپنے علم کے مطابق انہیں مقدر کیا تھا۔

امام خطابی فرماتے ہیں:

وقد يحسب كثير من الناس: أنّ معنى القضاء والقدر إجبارُ الله سبحانه العبد وقهره على ما قدره وقضاه وليس الأمركما يتوهمونه، وإنّما معناه الإخبار عن تقدم علم الله سبحانه وتعالى بما يكون من اكتساب العبد وصدورها عن تقدير منه[66]

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تقدیر کا معنی ہے: اللہ تعالی کا بندے کو اس پر مجبور کر دینا جو اس نے مقدر کر دیا ہے" حالانکہ بات یوں نہیں جیسا وہ خیال کرتے ہیں، بلکہ تقدیر کا معنی ہے اللہ تعالی کا اپنے علم ازلی سے اس شیء کی خبر دینا جس کا انسان کسب کرے گا اور اس کا انسان سے صدور ہو گا۔

اہلسنت و جماعت اپنے موقف کو قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا: **الا له الخلق والامر تبرک الله رب العلمين**[67] سنتے ہو، پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کیلئے ہے بڑی برکت والا ہے اللہ جو مالک سارے جہان کا۔

اور فرمایا: **هل من خالق غیر الله**[68] کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔

یعنی اللہ تعالی نے انسان کو مجبور نہیں کیا بلکہ انسان کو کوشش کے ساتھ اپنا مقدر تلاش کرنے کی آزادی عطا فرمائی اور اسے عمل کا اختیار دیا کہ انسان چاہے تو شر کا راستہ اختیار کرتے ہوئے حاصل کرلے یا خیر کے ساتھ حاصل کرلے۔ لیکن اللہ تعالی نے کسب خیر کی تلقین فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں ملک شام میں طاعون کی وبا پھیلی۔ اس زمانے میں حضرت عمر بھی شام گئے ہوئے تھے۔ وباء کی وجہ سے انہوں نے وہاں سے نکلنے میں جلدی کی تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: کیا آپ اللہ کی قضاء سے بھاگتے ہیں؟ تو حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ کی قضاء سے اس کی قدر کی طرف بھاگتا ہوں۔[69]

یعنی قضاء تو امر الہی ہے مگر تقدیر پر انسان کا اختیار ہے۔

ایک دن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جو جنگ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھا، انہوں نے عرض کی یا امیر المومنین! ہمیں مسلہ تقدیر کے بارے خبر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: گہرا دریا ہے اس میں قدم نہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنین! ہمیں خبر دیجئے۔ تو پھر آپ نے فرمایا: اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا۔ پھر عرض کیا یا امیر المومنین: ہمیں خبر دیجئے۔ تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اگر نہیں مانتا تو سنو یہ ایک امر ہے دو امروں کے درمیان۔ نہ آدمی مجبور محض ہے نہ اختیار اسے سپرد ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا کہ

فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے اور وہ یہاں پر موجود ہے۔ حضرت علی نے فرمایا: میرے سامنے لے کر آؤ۔ لوگوں نے جب اس کو کھڑا کیا تو حضرت علی نے اسے دیکھا اور تلوار مبارک اپنی میان سے چار انگلیوں کی مقدار باہر نکالی اور فرمایا: تو کام کی قدرت کا خدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے۔ خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جاؤ گے اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس نے کہا یا امیر المؤمنین! پھر میں کیا کہوں؟ فرمایا یوں کہو کہ اس خدا کے دیے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے دے اور اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر مجھے کچھ بھی اختیار نہیں"۔[70]

خاتمہ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لئے اچھائی اور برائی تخلیق کر کے اسے اس میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے اور اپنے عمل کے لئے مخصوص کر لینے کا اختیار اور قدرت عطا فرمائی ہے۔ وہ چاہے تو نیکی کو اختیار کرے اور چاہے تو بدی کو اپنا لے۔ چنانچہ سورۃ البلد میں ارشاد فرمایا: **اَلَمْ نَجْعَلْ لَّه عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ**[71] کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔ اور (اسے) ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)۔ اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے۔ **لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ**[72] دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔ نیز ارشاد فرمایا: **وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ**[73] اور فرما دیجیے کہ (یہ) حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

مفسرین کے نظریات

خیر و شر کے بارے میں مفسرین برصغیر کی آراء

خیر و شر کی تعریف

قرآن مجید میں میں خیر و شر کے مفہوم کے لیے عام طور پر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ الحسنہ

۲۔ السیئہ

خیر کے لیے **الحسنہ** اور شر کے لیے **السیئہ** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں مذکورہ بالا دونوں الفاظ میں سے ہر لفظ دو مختلف معانی میں مستعمل ہوا ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ **الحسنہ** کا پہلا معنی: بھلائی (دنیا کی نعمتیں)،

السیئہ کا پہلا معنی: برائی (دنیا کے مصائب) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ [74]

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں اگر تم صبر اور تقوی سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت کے) احاطے میں ہے

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ [75]

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں دکھ ہوتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور یہ کہہ کر ہیں بڑے خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں

فَاِذَا جَاۗءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰي وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ [76]

(مگر) نتیجہ یہ ہوا کہ اگر ان پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے یہ تو ہمارا حق تھا اور اگر ان پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اس کو موسی اور ان کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے ارے (یہ تو) خود ان کی نحوست (تھی جو) اللہ کے علم میں تھی لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے۔

ان تمام آیات میں الحسنہ سے مراد بھلائی (دنیا کی نعمتیں) اور السیئہ سے مراد دنیا میں پیش آنے والے مصائب و مشکلات ہیں۔

الحسنہ اور السیئہ کا دوسرا معنی

الحسنہ کا معنی نیک اعمال اور السیئہ کا معنی برے اعمال ہیں۔

مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [77]

جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اس کو اس سے بہتر چیز ملے گی اور جو کوئی بدی لے کر آئے گا تو جنہوں نے برے کام کیے ہیں ان کو کسی اور چیز کی نہیں ان کے کئے ہوئے کاموں ہی کی سزا دی جائے گی۔

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡہِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکۡرٰی لِلذّٰکِرِیۡنَ[78]

اور (اے پیغمبر) دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِہَا ۚ وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَہَا وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ[79]

جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس گنا ملیں گے اور جو شخص برا کام کرے گا اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔

ان آیات بالا میں الحسنہ سے مراد نیک اعمال اور السیئۃ سے مراد برے اعمال ہیں لہذا حسنہ کے لیے خیر اور السیئۃ کے لیے شر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

افعال عباد (خیر وشر) کا خالق

افعال عباد کا خالق اللہ تعالی ہے سب اسی کی تخلیق ہے اور اس پر اجماع ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا کہو

اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ[80]

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

سورہ زمر میں ہے:

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۫ وَّ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ [81]

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا رکھوالا ہے۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ بندہ اگر اپنے افعال کا خالق ہو تو وہ افعال کی تفاصیل کا بھی علم رکھے گا اور یہ باطل ہے جیسا کہ بندہ جب حرکت کرتا ہے تو اس کو حرکت کی تفاصیل کا علم نہیں ہوتا کہ یہ حرکت کس طرح وجود میں آئی ہے جسم کے کون سے اعضاء اعصاب حرکت میں معاون بنے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے:

اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یُدۡرِکۡکُّمُ الۡمَوۡتُ وَ لَوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ حَسَنَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا ہٰذِہٖ مِنۡ عِنۡدِکَ ؕ قُلۡ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ؕ فَمَالِ ہٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ حَدِیۡثًا[82]

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

کہ کامیابی ہو یا ناکامی دکھ ہو یا سکھ ان میں سے کوئی چیز بھی میری طرف سے نہیں ہے بلکہ سب کچھ

اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لئے بھی کہ میں کوئی کام خدا کے حکم کے بغیر نہیں کرتا اور اس لئے بھی کہ مصرف حقیقی اس کائنات کا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ہی ہے اس کی مشیت کے بغیر اس دنیا میں کسی کو دکھ پہنچ سکتا ہے نہ سکھ

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی کھیت والی مثال:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالی نے افعال العباد کے مسئلے کو ایک مثال سے سمجھ آیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ دو شخص ایک کھیت کی پیداوار پر جھگڑتے ہوئے حاکم کے پاس آئے. دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ کھیت کی پیداوار اس کی ہے اور میں ہی اس کا مالک ہوں. حاکم نے ایک پوچھا کہ زمین کیس کی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زمین میری نہیں دوسرے کی ہے بیج بھی اسی کا تھا آپ پاشی بھی اسی نے کی تھی ہل بھی اسی نے چلایا غرض جس قدر چیزیں اور کام اس تیار کھیت کے تیار ہونے تک پیش آئے سب دوسروں کے ہیں. البتہ پیداوار میری ہے. ظاہری بات ہے کہ دنیا کی کوئی عدالت اس کے حق میں فیصلہ نہیں دے گی۔ اسی طرح افعال العباد کے اسباب و آلامات جن سے وہ افعال وقوع پزیر ہوتے ہیں اللہ کی مخلوق ہیں تو نفس افعال جو انکا حاصل اور نتیجہ ہیں وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی مخلوق کیسے ہوسکتے ہیں؟

مفسرین برصغیر کی آراء

ا۔ امین احسن اصلاحی

خیر و شر کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی کی رائے کو سمجھنے کے لئے چند پوائنٹس میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

خالق خیر و شر کون ہے؟

مولانا امین احسن اصلاحی اس بات کے قائل ہیں کہ خالق خیر و شر اللہ تعالیٰ کی ذات ہے. خیر و شر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے

شر کو مہلت دینے کی حکمت کیا ہے؟

سورہ النساء کی آیت نمبر 79 کی تفسیر میں لکھتے ہیں "یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالی کسی فرد یا جماعت کے کسی شر کو سر اٹھانے کی مہلت دیتا ہے تو اس لئے دیتا ہے کہ اس میں بحیثیت مجموعی اس کی خلق کے لیے کوئی حکمت و مصلحت مد نظر ہوتی ہے. بعض اوقات اس ڈھیل سے اہل حق کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس سے انکی کمزوریاں دور ہوں اور ان کی خوبیاں نشو و نما پائیں. بعض اوقات اس سے اہل باطل پر حجت تمام کرنا اور ان کے پیمانے کو لبریز کرنا ہوتا ہے. بعض اوقات قدرت خود ایسے حالات پیدا کرتی ہے جن سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبائع کے اندر جو کچھ دبا ہوا ہے وہ ابھرے. اس سے نیکیاں بھی ابھرتی ہیں اور جن کے اندر بدیاں مضمر ہوتی ہیں ان کی بدیاں بھی ابھرتی ہیں"۔

سورہ شعراء کی آیت نمبر 30 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالی بہت سی بداعمالیوں سے درگزر بھی فرماتا ہے۔ یہ دکھ جو تمہیں پہنچتے ہیں تمھاری تنبیہ و تذکیر کے لئے پہنچتے ہیں تاکہ تم اس دنیا کو بازیچہ اطفال سمجھ کر اس میں لاابالیانہ زندگی نہ گزارو بلکہ ان تنبیہی واقعات سے یہ سبق حاصل کرو کہ اس کا خالق جزا اور سزا دینے والا ہے اور وہ ایک دن تم کو جمع کر کے تم سے ضرور مواخذہ فرمائے گا اگر آج وہ تمہیں ڈھیل دے رہا ہے تو اس وجہ سے نہیں کہ اس کو تمہارے خیر و شر سے کوئی تعلق نہیں یا تمھارے شر ہی کو اس نے خیر کا درجہ دے دیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے کامل جزا و سزا کے لیے ایک خاص یوم الصلہ مقرر کر رکھا ہے جو لازما آکے رہے گا۔

شر کی نسبت کس کی طرف ہو گی گی؟

سورہ شعراء کی آیت نمبر 80 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

واذا مرضت فھو یشفین کا اسلوب بیان بھی قابل توجہ ہے۔ کھلانے پلانے اور شفا دینے کے افعال کی نسبت براہ راست اللہ تعالی کی طرف فرمائی لیکن بیمار ہونے کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔ اس کی وجہ سوء ادب سے احتراز بھی ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ نعمتیں جس قدر بھی بندے کو ملتی ہیں وہ سب خدا کے فضل وجود سے ملتی ہیں لیکن اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بسا اوقات اس کے کسی عمل پر مترتب ہوتی ہے ہر چند وہ تو خدا کے اذن و حکم ہی سے ہے لیکن اس میں انسان کی اپنی غفلت کو بھی دخل ہوتا ہے اس وجہ سے وہ بندے کی طرف منسوب ہوتی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پہلو کو مد نظر رکھ کر یہاں یہ فرمایا کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں یہ نہیں فرمایا کہ وہ مجھے بیمار کرتا ہے"

اس سے معلوم ہوتا ہی کہ شر کی نسبت اللہ کی طرف نہیں بلکہ اپنی ذات کی طرف کرنی چاہیے۔

خدا خیر مطلق

سورہ کھف کی آیات 60 تا 82 کی تفسیر کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

> ایک یہ کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی واقعہ ہوتا ہے سب خدا کے اذن اور اس کے ارادہ و مشیت کے تحت واقع ہوتا ہے اس کے اذن و ارادہ کے بغیر ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا دوسری یہ کہ خدا خیر مطلق اور حکیم ہے اس وجہ سے اس کا کوئی ارادہ بھی خیر اور حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

لہذا اگرچہ اللہ تعالی نے شر کا اختیار دیا ہے لیکن خدا کے سراپائے خیر ہونیکی وجہ سے وہ شر کو بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ وہ منہی عنہ میں داخل ہے اس سے احتراز لازم ہے

وجہ خیر وشر

سورہ ہود کی آیت نمبر 7 کی تفسیر کے ضمن میں مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اللہ تعالی انسان کو ارادے کی آزادی اور خیر وشر کا امتیاز دے کر یہ امتحان کر رہا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے خیر کی راہ اختیار کرتا ہے یا شر کی اور لازماً وہ اس کے لئے ایک دن اپنے رب کے آگے مسئول اور جواب دہ ہو گا اور اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا بھگتے گا"

مولانا عبد الحق حقانی کی خیر وشر کے بارے میں رائے:

آپ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر خیر و شر اللہ تعالی کی طرف سے ہے اور ہر چیز کا فاعل حقیقی اور موجد اصلی اللہ ہی ہے۔ چنانچہ آپ سورۃ نساء کی آیت نمبر 78 کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ ان سے کہہ دو اگر تم اس بات سے قطع نظر کر کے مسبب الاسباب اور فاعل حقیقی کی طرف خیال کرتے ہو جیسا کہ حسنہ یعنی فتح و ظفر وغیرہ بہتری میں ہر چیز کا فاعل حقیقی اور موجد اصلی اللہ ہی ہے تو پھر برائی اور بھلائی میں تفرقہ کرنا ایک کو بندہ کی طرف ایک کو اللہ کی طرف منسوب کرنا حماقت ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کی نسبت فرماتا ہے"**فمال هؤلاءالقوم لايكادون يفقهون حديثا**" کہ ان کو کیا ہوا جو بات بھی نہیں سمجھتے"

نسبت شر کے بارے مقتضائے ادب

مولانا حقانی فرماتے ہیں کہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ خیر کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا جائے اور شر کو اپنی طرف منسوب کیا جائے کیوں کہ یہ بندوں کے اعمال بد کا نتیجہ ہے چنانچہ سورہ نساء آیت نمبر 78 کی تفسیر کے ضمن میں لکھتے ہیں ہیں: اور اگر عالم اسباب کی طرف نظر کرتے ہو تو نیکی کو جس طرح عمدہ اسباب کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو سختی اور مصیبت کا باعث بھی تمہاری معصیت اور سوء تدبیر ہے سو اس کو اپنے اعمال بد کا نتیجہ کیوں نہیں کہتے پس ادب کا مقتضا یہی ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کر دو ورنہ در حقیقت ہر خیر و شر اس کی طرف سے ہے۔

خلاصہ کلام

مقالہ نے خیر و شر کے نظریاتی اور عملی مظاہر کا جامع جائزہ پیش کیا ہے، خاص طور پر اسلامی متکلمین و مفسرین کی آراء کے تناظر میں۔ تقدیر اور انسانی خود مختاری کے مابین توازن قائم کرنا ایک پیچیدہ موضوع ہے، جس پر اسلامی فکریات میں گہرائی سے بحث کی گئی ہے۔ اس تحقیق نے مختلف اسلامی متون اور کتب کا تجزیہ کرتے ہوئے خیر و شر کے تصورات کی وضاحت کی ہے اور سنّی موقف کو واضح کیا ہے۔ مجموعی طور پر، یہ مقالہ اسلامی فلسفے میں خیر و شر کے تصورات کی گہرائی کو اجاگر کرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

1 راغب اصفہانی، **مفردات القرآن**(لاہور: شیخ شمس الحق،1987ء)،، ص:332

2 فرقان25:63

3 شعراء26:215

4 الحجر15:88

5 مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2001

6 جرجانی، کتاب التعریفات، ص:227

7 الزمر39:33

8 بخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:6117

9 بخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:6119

10 جوزی، عبد الرحمن، منہاج القاصدین،(لاہور: ادارہ معارف اسلامیہ،1985ء)، ترجمہ: سلیمان کیلانی، ص:201

11 یوسف12:53

12 جوزی، منہاج القاصدین، ص:203

13 النساء4:23

14 مفتی شفیع، معارف القرآن،3:375

15 الکہف18:28

16 مودودی، تفہیم القرآن،3:23

17 ق50:16

18 مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:4259

19 الإنفطار82:1-5

20۔ راغب، مفردات القرآن، ص:395

21۔ ابن منظور، لسان العرب،5:74

22۔ آجری، کتاب الشریعۃ،2:698

23۔ یٰسین36:12

24۔ الصافات37:96

25۔ النساء4:78

26۔ التکویر:29

27۔ القمر53:54

28۔ القمر49:54

29۔ الطلاق3:65

30۔ الحدید22:57۔23

31۔ یٰسین12:36

32۔ الزمر62:39

33۔ الملک14:67

34۔ ابو داود، سنن ابی داود، رقم الحدیث:4692

35۔ ترمذی، سنن الترمذی، رقم الحدیث:2151

36۔ البخاری، صحیح البخاری رقم الحدیث:6605

37۔ مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:6742

38۔ مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:6748

39۔ مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2664

40۔ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ، شعب الایمان (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1410ھ) رقم الحدیث:194

41۔ مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2653

42۔ ترمذی، سنن الترمذی، رقم الحدیث:2151

43۔ ابن حنبل، مسند احمد، رقم الحدیث:21629

44۔ ترمذی، سنن الترمذی، رقم الحدیث:2144

45۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س-ن)، 148:17

46۔ عثیمین، محمد بن صالح، رسالۃ في القضاء والقدر، (السعودیہ، دار الوطن، 1423ھ) 1:9

47۔ الانعام2:6

48۔ آل عمران145:3

49۔ النساء78:4

50۔ العثیمین، رسالۃ في القضاء والقدر، 1:9

51۔ البقرہ286:2

52۔ العثیمین، رسالۃ في القضاء والقدر، 1:9

53۔ تفتازانی، مسعود بن عمر بن عبد اللہ، شرح العقائد النسفیۃ، (کراچی، پاکستان: مکتبہ خیر کثیر، 2002ء)، 100:1

54۔ الصافات96:37

55۔ الانعام102:6

56۔ النحل17:16

57۔ تفتازانی، شرح عقائد النسفیہ، 1:100۔101

58۔ تفتازانی، شرح عقائد النسفیہ، 106:1

59۔ آل عمران19:3

60۔ الزمر8:39

61۔ الکھف29:18

62۔ ایضا

63۔ تفتازانی، شرح عقائد النسفیہ، 106:1

64۔ تفتازانی، شرح عقائد النسفیہ، 1:99

65۔ طحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ، العقیدۃ الطحاویۃ، (بیروت: مرکز الخدمات والابحاث الثقافیہ، 1407ھ)، 35:1

66۔ خازن، علی بن محمد، لباب التاویل فی معانی التنزیل، (بیروت، لبنان: دار المعرفہ، 1988ء)223:4

67۔ الاعراف54:7

68۔ الفاطر3:35

69۔ البخاری، صحیح البخاری، رقم الحدیث:4788

70۔ مسلم، صحیح مسلم، رقم الحدیث:2891

71۔ البلد90:8-10

72۔ البقرۃ256:2

73۔ الکھف29:18

74 آل عمران120:3

75 التوبۃ50:9

76 الأعراف131:7

77 القصص84:28

78 ھود114:11

79 الأنعام160:6

80 الصافات96:37

81 الزمر62:39

82 النساء78:4